R-N-21/86/56 REGD-NO-L922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۷ - شمارہ ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ / اکتوبر ۱۹۶۸ء

اداریہ

یوم سرسید

۱۷ / اکتوبر کو سرسید کا جنم دن ہے۔ سرسید ۱۷ / اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے اس طرح ان کی پیدائش کو ایک سو اکیاون برس ہو گئے۔ سرسید نے ہمیں اندھا دھند تقلید کے ذہن سے نکالا اور عقلیت کے سہارے نئے حالات میں اپنی زندگی بنانے کی طرف مائل کیا۔ سرسید ماضی کی صالح روایات کا احساس رکھتے تھے۔ وہ اپنی تہذیب، زبان، ادب، معاشرت کی خوبیوں کو بھی جانتے تھے اور خامیوں کو بھی، مگر وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنا انہیں پسند نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کے تمام خیالات سے اتفاق کیا جائے کیونکہ انھوں نے بہت سی باتیں ان مخصوص حالات کو دیکھ کر کہی تھیں جو ان کے زمانے میں درپیش تھے۔ مگر ان کے افکار و اعمال کے پیچھے جو روح تھی اس سے آج بھی ہمیں روشنی اور گرمی مل سکتی ہے۔ آج بھی ہمیں ایک تنقیدی شعور پیدا کرنا ہے۔ جو نئے کو ڈر کے مارے رد کر دے نہ پرانے کو آنکھ بند کر کے قبول کرے بلکہ ہر چیز کو اس کی ضرورت اور افادیت کے لحاظ سے دیکھے اور جو چیز ناموزوں یا نامناسب ہو گئی ہے۔ اس پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے۔ سرسید چاہتے تھے کہ لوگ نئی تعلیم سے بہرہ مند ہوں۔ اس کے لئے ان کے زمانے میں مغربی علوم کی انگریزی کے ذریعہ سے تعلیم کی ضرورت کو آج سمجھا جاسکتا ہے مگر یہ بھی مسلم ہے کہ کوئی قوم دوسری زبانوں کے ذریعہ سے اپنی شخصیت کی پوری نشو و نما نہیں کر سکتی، اسے بالآخر اپنی زبان کے ذریعہ سے ہی نئی تخلیقی و علمی فضاؤں میں پرواز کرنی پڑتی ہے۔ ہاں اس کے معنی یہ نہیں ہونے چاہئیں کہ ہم انگریزی یا دوسری بیرونی زبانوں کا اچھا معیار نہ رکھیں کیونکہ عالمی ذہن سے آشنا ہونے کے لئے انگریزی اور دوسری عالمی زبانوں سے گہری واقفیت ضروری ہے مگر بنیاد اپنی ہی زبان کی ہونی چاہئے۔ اس طرح سرسید نے ایم۔ اے۔ او۔ کالج کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا اور جو بالآخر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی صورت میں ظاہر ہوا، اسے مکمل کرنا ہے۔ سرسید دراصل انگریزی کے ذریعہ سے ایک طرف زندگی کی عام ضروریات اور ملازمتوں میں حصہ چاہتے تھے دوسری طرف وہ ایسے لوگ بھی پیدا کرنا چاہتے تھے جو مغربی علوم سے بہرہ ور ہو کر ذہنی قیادت کا فرض انجام دے سکیں۔ وہ ایک اور مدرسہ اس غرض سے بھی قائم کرنا چاہتے تھے کہ عوام کو اردو زبان میں جدید علوم کی تعلیم دی جا سکے اور جانتے تھے کہ اس شعبے کی ذہنی انقلاب لانے میں کتنی اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ وہ ان لوگوں کے لیے جو اردو کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کر چکے ہوں اور انگریزی بھی جانتے ہوں، ایک ایسا مدرسہ بھی قائم کرنا چاہتے تھے جو عربی اور فارسی میں اعلیٰ دستگاہ پیدا کریں اور اس طرح ہمارے مذہبی سرمائے میں اضافہ کر سکیں اور نئے زمانے کے چیلنج کو قبول کر سکیں۔ سرسید کے منصوبے کا صرف ایک تہائی حصہ پورا ہوا۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کے منصوبے کو مکمل کیا جائے اور ہماری یونیورسٹی انگریزی کے ذریعہ سے اعلیٰ تعلیم کے علاوہ اردو کے ذریعہ سے اعلیٰ تعلیم بھی دے اور عربی، فارسی کا ایک مدرسہ بھی قائم کرے جس کے ذریعہ سے ہماری مذہبی تصانیف جدید ریسرچ کے معیاروں پر پہنچ سکیں اور علماء کو نئے دور کے تقاضوں کا احساس دلا سکیں۔ سرسید کی یاد میں جلسے تو ہوتے رہیں گے۔ ان کی بھی افادیت ہے، مگر اصل کام یہ ہے کہ ہم ان کے مشن کو آگے بڑھائیں اور نئے دور میں اپنے لئے باعزت جگہ بنانے کے اہل ہوں۔

سرسید سے قریبی رابطہ رکھنے والوں کی تلاش

پٹنہ: علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے تحت یوم سرسید منائے جانے کے سلسلے میں ایسے باحیات بزرگوں کی تلاش ہے جنھیں اس عظیم شخصیت اور محسن قوم سے ملنے یا دیکھنے کا شرف نصیب ہوا ہو یا مرحوم کے حالات ایسے حضرات سے معلوم ہوئے ہوں جو ان سے ملے ہوں یا دیکھا ہو۔ سرسید ۱۸۸۳ء میں پٹنہ تشریف لائے تھے اور شاید اس کے بعد بھی تشریف لائے ہوں۔ اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ کس کس خوش نصیب کے مہمان رہے تھے، وہ مکان کون کون سا تھا جہاں ان کا قیام رہا تھا۔ اور اسی طرح کی متعلق باتیں کسی بزرگ سے براہ راست یا کسی دوسرے واسطے سے معلوم ہوں جیسے کہ مرحوم کے صاحبزادے راس مسعود صاحب پٹنہ کالجیٹ اسکول میں کافی عرصہ تک رہے۔ ان کی معرفت بہتوں کو سرسید کے متعلق بہت سی باتوں کا علم ہوگا۔

سرسید پر مقالہ نگاری کا انعامی مقابلہ

پٹنہ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی جانب سے یوم سرسید کے موقعہ پر قومی یکجہتی پر سرسید کا حصہ کے عنوان سے ہندی، اردو اور انگریزی میں مقابلہ کا اعلان کیا ہے۔ ہندی اور اردو میں پچہتر پچہتر روپے کی قیمتوں کے انعامات اور انگریزی میں بہ واہ استحقاق تین انعامات پچھتر پچاس اور پچیس روپوں کی قیمت کے ہوں گے۔ مقالے لگ بھگ پندرہ سو الفاظ کے ہوں۔ (روشنی)

پاکستان میں ہندستان کی اردو کتابوں کا داخلہ بند

لکھنؤ۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت پاکستان نے ہندستان سے آنے والی اردو کتابوں کا داخلہ اپنے ملک میں خلاف قانون قرار دیا ہے۔ اب جو کتاب ہندستان سے ڈاک پارسل کے ذریعے پاکستان بھیجی جائے گی وہ پاکستان میں بحق سرکار ضبط کرلی جائے گی اور مرسل الیہ کو نہیں ملے گی۔ ہندستان اور پاکستان کے درمیان مدت سے کتابوں، اخباروں اور رسالوں کا لین دین چل رہا تھا کیونکہ باقاعدہ خریداری میں بڑی دشواریاں پیدا ہوگئی تھیں۔ زرمبادلہ نہ ملنے کی وجہ سے کتاب فروش کتابوں کا باہمی تبادلہ کرلیتے تھے مگر حکومت پاکستان کے حالیہ احکام کے نفاذ پر یہ صورت بھی ختم ہوجائے گی۔ اس کا سب سے زیادہ اثر ہندستان میں اردو کتابوں کے چھاپنے اور بیچنے والوں پر پڑے گا۔ (قومی آواز)

قومی یکجہتی پر بچوں کی نہرو لائبریری" کے لئے کتابیں

نئی دہلی۔ نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا نے بچوں کی کتابوں کی نہرو لائبریری کے نام سے ایک پروجیکٹ شروع کیا ہے۔ جس کا بنیادی موضوع قومی یکجہتی ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہر منتخب کی ہوئی کتاب کی مختلف زبانوں میں کم سے کم ایک لاکھ کاپیاں حکومت ہند اور ریاستی حکومتیں خریدیں گی۔ ابتدائی مرحلہ میں اس پروجیکٹ کے تحت ۱۰۰ کتابیں چھاپی جائیں گی۔ پروجیکٹ میں جو کتابیں شامل ہوں گی وہ بیک وقت ہندستان کی سب بڑی زبانوں میں شائع کی جائیں گی اور کتاب کا گیٹ اپ اور قیمت ایک ہوگی۔ ابتدا میں صرف ۱۱ سے ۱۴ برس کے بچوں کے لئے کتابیں چھاپی جائیں گی لیکن بعد کو یہ پروجیکٹ تدریس کی نچلی اور اعلیٰ سطح کا بھی احاطہ کرے گا۔ کتابیں قصہ کے روپ میں ہوں گی اور اپنے موضوع سے اس طرح ہم آہنگ ہوں گی کہ بچے اسے آسانی کے ساتھ ذہن نشین کرلیں۔ یہ کتابیں جن موضوعات سے متعلق ہوں گی وہ ہندستان کا ثقافتی ورثہ تاریخ، لوک کہانیاں اور تیج تیوہار، ملک اور عوام کے بارے میں جانکاری، ترقیاتی سرگرمیاں، دستور ہند، تحریک آزادی، سائنس اور ٹکنالوجی ہیں۔ نیشنل بک ٹرسٹ تمام ہندستانی زبانوں کے ماہرین پر مشتمل ایک مرکزی مشاورتی کمیٹی بنانا چاہتا ہے، جو اس پروجیکٹ کے بارے میں ٹرسٹ کو مشورہ دے گا۔ تعلیمی کمیشن نے اپنی حالیہ رپورٹ میں رائے دی ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو ہندستان کے تمام بچے پڑھ سکتے ہوں اور یہی سبب ہے کہ ہمارے تعلیمی نظام کا قومی یکجہتی میں اتنا حصہ ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ مختلف زبانوں میں کتابوں کے الگ الگ عنوان تجویز کرنے کے لئے مشاورتی کمیٹیاں بنادی جائیں گی۔ (قومی آواز)

مگدھ یونی ورسٹی میں اردو ایم اے کا کلاس کھل گیا

گیا۔ یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ اس سال سے مگدھ یونی ورسٹی میں اردو (ایم۔ اے) کا کلاس کھل گیا وائس چانسلر جناب بی۔ ام۔ کے۔ سنہا نے ڈاکٹر سید محمد حسنین نائب صدر شعبہ اردو گیا کالج کو اس نئے شعبہ کا صدر بنایا ہے۔ کلاس نومبر سے شروع ہو جائے گا۔ (زاہد۔ سکریٹری)

نیو جنریشن نمبر ۳ شائع ہوگیا

کلکتہ۔ یہ خبر ادبی حلقوں میں مسرت سے سنی جائے گی کہ نیو جنریشن نمبر ۳ شائع ہوگیا۔ اس رسالہ میں اردو کی نمائندہ تخلیقات انگریزی میں پیش کی جاتی ہیں۔ اس شمارہ میں اردو کے ممتاز ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات شامل ہیں۔ ۱۶۰ صفحات کے اس مجموعۂ نظم و نثر دو آرٹ کے ایڈیٹرز رام لعل اور سیدہ نسیم چشتی ہیں قیمت تین روپے ہے یہ رسالہ رائیٹرز ورکشاپ ۱۶۰/۹۲ لیک گارڈنز کلکتہ سے مل سکتا ہے۔

انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند کی تیسری سالانہ کانفرنس

علی گڑھ انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند کی تیسری سالانہ کانفرنس بسالی شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۲۰ تا ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء منعقد ہورہی ہے اس کا افتتاح پروفیسر خواجہ غلام السیدین صاحب فرمائیں گے۔ کانفرنس کا پروگرام یہ ہے:-

۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

افتتاحیہ اجلاس

پہلا اجلاس	اردو ذریعۂ تعلیم
دوسرا اجلاس	اردو اساتذہ کے مسائل

۲۱ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

تیسرا اجلاس	نصاب کے مسائل
چوتھا اجلاس	تدریس کے مسائل

۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

پانچواں اجلاس	تحقیق کے مسائل
چھٹا اجلاس	تنقید کے مسائل

سلطان احمد سابق مدیر اتحاد پٹنہ

بزرگِ قوم سید احمد خاں

ادھر سلطنت مغلیہ کا آفتاب ڈوب رہا تھا، ادھر برطانیہ عظمیٰ کا ستارہ بلند ہونے لگا یہ ایام واقعات دوادث کے دن ہیں۔ جو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ تاکہ اس رد و بدل سے ان کی آزمائشیں پوری ہوں۔ کہتے ہیں آنے والے حالات کے وقوع سے پہلے ان کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ابھی عالمگیر کی آنکھیں بند ہوئی تھیں کہ ملک میں اندھیرا چھا گیا۔ ہر طرف انتشار پھیلا صوبے مرکز سے علیحدہ ہوئے اور صدیوں کی سلطنت کا جاہ و جلال خاک میں مل گیا یہ تھی زوال کی نشانی جو ۱۷۰۷ء سے شروع ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس کے برعکس اس پیشہ ور فرنگی کا حوصلہ بلند دیکھو جس نے شاہی معالجہ کی کامیابی پر کسی ذاتی انعام و اکرام کی جگہ اپنی قوم کے لئے صرف تجارت کی سہولت مانگی تھی۔ جب افراد کے دلوں میں قومی ترقی کا یہ خیال پیدا ہو جائے تو پھر اس کے عروج و ترقی میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا۔ ۱۸۵۷ کی تباہیوں میں اس لگن کا ایک دوسرا واقعہ ہمارے لئے انتہائی سبق آموز ہے۔ خود بزرگ قوم کی زبانی سنئے ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۹ء کو ایک لکچر کے ضمن فرماتے ہیں:

"جو حق اس غدر داری کے متعلقہ جہاں آباد جو سادات کے ایک نامی خاندان کی ملکیت اور لاکھ روپے سے زیادہ کی ملکیت تھا۔ مجھ کو دینا چاہا تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ کوئی نالائق دنیا میں نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں ان کی جائداد لے کر تعلقہ دار بنوں میں نے اس کے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے۔ اور درحقیقت یہ بالکل سچ بات ہے۔ میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر پنپے گی اور کچھ عزت پائے گی۔ اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہ جاتا تھا چند روز میں اسی خیال اور غم میں رہا۔ آپ یقین کیجئے کہ اس غم نے مجھے بڈھا کر دیا۔ اور میرے بال سفید کر دئے۔ جب میں مرادآباد آیا جو ایک بڑا غم کدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا تو اس غم کو اور ترقی ہوئی مگر اس وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ نہایت نامردی اور بے مروتی کی بات ہے کہ اپنی قوم کو تباہی کی حالت میں چھوڑ کر میں خود کسی گوشہ عافیت میں جا بیٹھوں۔ نہیں اس کی مصیبت میں شریک رہنا چاہئے اور جو مصیبت پڑے اس کے دور کرنے میں ہمت باندھنی قومی فرض ہے۔ میں نے ارادہ ہجرت موقوف اور قومی ہمدردی کو پسند کیا۔"

واقعہ کی سچائی، بیان کی سادگی اور زبان کی دوسری خوبیوں کے لحاظ سے تقریر کا یہ مختصر ٹکڑا ان کے خلوص عمل اور قدرت بیان و زبان کی خصوصیتوں کو نمایاں اور ظاہر کر دینے کے لئے کافی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک مخلص رہنما، عظیم مفکر اور ادیب کے زبردست فنکار ہونے کی سند بھی ہے۔ ایک دفعہ کسی مقرب نے ان سے پوچھا تھا کہ اپنی تقریروں اور لکچروں کے لئے آپ کوئی تیاری نہیں کرتے؟ لکھنے کی زحمت نہ سوچنے کی مہلت، کھڑے ہوئے اور تقریر کرنے لگے۔ انھوں نے جواب دیا: جس کے گھر میں آگ لگی ہو۔ اس کو سوچنے اور عبارت آرائی کا موقع کہاں، وہ بے تحاشہ لوگوں کو پکارتا ہے۔ دوڑو آگ لگی ہے بجھاؤ یہی حال میرا ہے، دل میں سوز ہے منہ میں زبان، بغل میں ساز (ڈفلی) ہے کھڑے ہوئے اور بجانے لگے!

غرض ہند کی بیقراریوں میں دلی کے گہوارہ علم و فضل کی تربیت یافتہ، ایک جاں سوز و جاں نواز شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے، وہ روشن دماغ، پاک نفس مرد مومن جو اپنے عہد کی تاریکیوں میں روشنی و ہدایت کا منبع و مرجع بن گیا۔ بچپن ہی میں اتنا توانا و تندرست تھا کہ اس کو دیکھ کر خاندان کے بڑے بوڑھے کہنے لگے بھلا سادات کے گھر میں یہ جاٹ کہاں سے آیا، مگر جوانی کا ڈیل ڈول جسم ایسا بھرا اور سڈول کہ تناسب کی یہ تصویر دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ جامہ زیب اور سفید رنگ گویا مخفی جمال و جلال لباس کے پردے سے ٹپکتا تھا، پر خاندانی وجاہت اور ذاتی فضیلت سونے پر سہاگہ۔ جدھر نکلتے لوگ اپنا کام بھول جاتے اور نظروں کی ٹکٹکی بندھ جاتی۔ لیکن شباب آیا اور گیا اس کی بھی خبر نہ ہوئی کہ حسن میسر کو آیا تھا سو گذار گیا۔ قوم کے غم نے ایسا سیدھا کر دیا کہ بس ایک صراط مستقیم کے ہو رہے۔ یہ خودداری و الوالعزمی تھی کہ آبائی جائداد اور شاہی وظیفہ خواری سے قطع نظر، اپنے پسینہ کی گاڑھی کمائی کی خاطر اس نے کمپنی بہادر کی ملازمت اختیار کر لی اس طرح ملک کے آئندہ حکمرانوں سے اس کا تعلق اتنا گہرا ہو گیا کہ اس غیر ملکی حکومت کے استحکام میں اپنے ملکی تعاون کو تیغی کے ان دو پلڑوں سے مثال دی تھی جن کی کارگزاریوں میں ایک سے دوسرے کا فرق کرنا مشکل ہے۔ اور یہ بتانا دشوار ہے کہ کس پلڑے نے زیادہ کام کیا۔ مگر جب معاملہ اس حد تک پہنچا کہ ہندوستانیوں کے لئے حقوق طلب کئے جائیں اور وہ حکومت میں برابر کے شریک ہوں تو ان مطالبہ کی صورتوں میں نہ تو ملازمت ایک لمحہ کے لئے مانع ہوئی نہ ذاتی رسم و راہ میں کوئی فرق آیا۔ وہ حق کے اظہار سے کبھی باز آئے نہ حقوق کے مطالبوں سے رکے۔ آگرہ کے دربار سے وہ اس بات پر خفا ہو کر چلے آئے کہ وہاں انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوستانیوں کو نیچے بیٹھنے کی جگہ دی گئی تھی۔ حالانکہ اسی دربار میں ان کو ایک طلائی تمغہ بھی ملنے والا تھا۔ ڈاکٹر ہنٹر اور سر ولیم میور کی کتابوں کی تردید

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

احمد حسن عباسی

ہر ایک گل سے ترے پیرہن کی بو آئے

سرسید کی پیدائش کو ڈیڑھ سو سال ہو چکے لیکن دنیائے ادب کی اتنی گھڑیاں گزرنے کے باوجود آج بھی ان کی بیشتر تحریروں کی افادیت، تازگی اور شیرینی اپنی جگہ برقرار ہے۔ یہاں سرسید کی کمیاب تحریریں پیش کی جا رہی ہیں۔ ان تحریروں میں بھی سرسید کی شخصیت کی گراں مائگی کا احساس ملتا ہے۔ ان کی وسعت نظر بے پایاں عزم محکم اور آرزو کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ یہ تحریریں گزٹ سے لی گئی ہیں۔

"اطلاع بخدمت ممبران سینٹیفک سوسائٹی۔

جن ممبروں کے پاس سے ووٹ بعد چھپنے کے زر محصول اخبار نہیں آیا ہے ان کے نام پر آئندہ ہفتہ کا اخبار روانہ نہیں ہوگا جس ممبر کو اخبار کا لینا منظور ہو جلد ٹکٹ محصول ڈاک کے اس اندازے سے روانہ کریں کہ تاریخ روانگی اخبار یعنی ۱۰ اپریل ۱۸۶۶ء روز شنبہ کے یہاں پہنچ جاویں ورنہ اخبار روانہ نہ ہوگا۔

راقم
سید احمد"

سرسید مسلمانوں ہی کے نہیں پوری ہندوستانی قوم کے محسنوں میں تھے انھوں نے ۱۸۵۹ء ہی میں سب سے پہلے کونسلوں میں ہندوستانیوں کی نمائندگی کا خیال اسباب بغاوت ہند کے ذریعہ پیش کیا تھا چنانچہ کچھ ہی دنوں بعد ۱۸۶۱ء میں انڈین کونسلز ایکٹ پاس ہوا۔ اخبار سینٹیفک سوسائٹی کے ۱۰ اپریل ۱۸۶۶ء کے شمارہ میں ایک مضمون "اے ہندوستانیو ذرا ہماری بات سنو اور ہوش میں آؤ" شائع ہوا جو کونسل میں ہندوستانیوں کی نمائندگی کے سلسلہ میں تھا سرسید چاہتے تھے کہ یہ مضمون اخبار کے ہر خریدار کی نظر سے گزرے اس لیے وہ ممبران سائنٹیفک سوسائٹی کو یہ اطلاع دیتے ہیں:

"اطلاع بخدمت ممبران سینٹیفک سوسائٹی

اگرچہ یہ بات قرار پا چکی تھی کہ جن ممبروں کے پاس سے محصول اخبار کا نہیں آیا ہے ان کے نام اخبار روانہ نہ ہوگا لیکن اس اخبار میں ایک ایسا مضمون مندرج ہے جس سے تمام ہندوستانیوں کا مطلع ہونا ضرور ہے اس لئے یہ اخبار بھی سب صاحبوں کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے مگر جن صاحبوں کے پاس سے محصول اخبار نہیں آیا وہ آئندہ ہفتہ کے اخبار کی پہنچنے کی توقع نہ رکھیں۔

راقم
سید احمد"

سرسید کو اردو زبان و ادب سے جو محبت تھی اس کا اظہار ان کی زبان و قلم سے زندگی کے آخری لمحات تک ہوتا رہا۔ وہ اردو ادب کی ایک تاریخ مرتب کرانا چاہتے تھے جس میں ان تمام کتابوں کا اشاریہ بھی ترتیب دینا چاہتے تھے جو ابتدا سے اب تک شائع ہو چکی تھیں اس سلسلہ میں گزٹ میں یہ اشتہار ملتا ہے۔

"اشتہار

آنریبل سینٹیفک سوسائٹی اپنے کتب خانہ میں ان کتابوں کو جمع کر رہی ہے جو ہندوستان میں بہ زبان اردو تصنیف ہو کر چھپ گئی ہیں اور جمع ہونے کے بعد وہ ان کی فہرست چھپنے کا ارادہ رکھتی ہے پس اگر کوئی صاحب ان کتابوں کے فراہم کرنے میں سینٹیفک سوسائٹی کے کتب خانہ کی مدد کریں تو راقم ان کی عطا کا نہایت شکر گزار ہوگا اور ان کتابوں کے بنارس تک پہنچنے میں خواہ بذریعہ ریل خواہ بذریعہ ڈاک جو کچھ خرچ پڑے گا اس کو راقم نہایت خوشی سے ادا کرے گا اور جو کتابیں اردو کی چھپ گئی ہیں مگر ان کے چھاپنے والے ان کو بلا قیمت دینا گوارا نہیں کرتے ان سے توقع ہے کہ وہ راقم کو قیمت سے مطلع کریں تاکہ ان کی قیمت اور بنارس تک کے محصول کا بندوبست کیا جاوے۔

راقم
سید احمد"

۱۸۶۷ء میں لندن میں ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن لارڈ لیوڈن کی صدارت

محمد معتصم عباسی آزاد

سرسید کے مزار پر

اے مسیح عہدِ نو خضرِ امروزِ جہاں　منزلِ دشوار ہستی کے امیرِ کارواں
اے کہ تیرے علم سے روشن رموزِ کائنات　قاصدِ پیغامِ ہستی رہبرِ راہِ نجات
رہگذارِ زیست کی تزئین ہے نقشِ قدم　صاحبِ فکر و نظر والا صفت عالی ہمم
قفلِ کتب دانشِ افرنگ تھی تیرے حضور　شکر اللہ اے علی گڑھ تو نے برسایا وہ نور
راہ پیمائے عمل وہ تیرا عزمِ ناصبور　تجھ پہ روشن تھی حریفِ عصا و کوہِ طور
اب بھی ہر دل میں ہے جاری فیضِ روحانی ترا　چہرہ چہرہ پر نمایاں نقشِ لافانی ترا
میکدے کا میکدہ سرگرمِ نوشا نوش ہے　آ کبھی جاگ اے میرے ساقی تو کہاں روپوش ہے
آ کے اپنے خوابِ زریں کی یہ تعبیریں بھی دیکھ　آ حدیثِ علم و فن کی زندہ تفسیریں بھی دیکھ
ذرۂ ناچیز کی یہ بزم افروزی بھی دیکھ　گردِ شمعِ علم پروانوں کی دلسوزی بھی دیکھ
یہ علی گڑھ ہے ترے افکار و عمل کی جلوہ گاہ　یہ حصارِ علم و حکمت یہ عقل و دانش کی پناہ
فیضِ تربیت ہے جس کی آج ہیں ہم ارجمند　حلقۂ اہلِ زمانہ میں ہوئے ہیں سربلند
پستی کر دیتے ہیں بڑھ کر بلندی بام کی　موڑ دیتے ہیں کلائی گردشِ ایام کی
ہے ہمارے ذہن و ادراک و تخیل سے جلی　ظلمتِ اوہام میں فکر و نظر کی روشنی
نت نئے کتنے ہی آشوبِ جہاں پیدا کئے　اس زمیں سے ہم نے کتنے آسماں پیدا کئے
لائقِ تحسین بھی تھے صیدِ ملامت بھی ہے　اہلِ الفت بھی بنے اہلِ سیاست بھی بنے
جرأتِ گفتار بھی ہے ہمتِ کردار بھی　لب پہ حرفِ حق بھی ہے دل میں جمالِ فن بھی
حریت کا نغمہ ہے جمہوریت کا ساز ہے　اپنے ہاتھوں پھر نئے اک دور کا آغاز ہے
فاتحہ خوانی کو آیا تھا تری تربت پہ میں　پا سکا تھا ہو نہ اپنے حال کی کیفیت پہ میں
سنگِ دل ماس و در و بام تو ہیں شایاں نہیں　ساغرِ دل ہے گراں قیمت کوئی ساماں نہیں

یہ اسی ساغر کا ہے چھلکا ہوا لعلِ مذاب
خاکِ مرقد سے تری کرتا ہوں اس کا انتساب

میں قائم ہوئی کچھ دنوں بعد اس انجمن کے سکریٹری دادا بھائی نوروجی مقرر ہوئے اس ایسوسی ایشن کا مقصد یہ تھا کہ جن امور میں جملہ ہندوستانیوں کی بہبودی مقصود ہو۔ ان میں جہاں تک ممکن اور قابل عمل ہو گا ایسوسی ایشن کی جانب سے ہندوستانیوں کی وکالت ہوگی۔ اس سوسائٹی کی کارروائیاں اخبار سائنٹیفک سوسائٹی میں شائع ہوتی تھیں سرسید چاہتے تھے کہ اس انجمن کی روداد اس ملک کی دوسری زبانوں میں بھی شائع ہوں تاکہ اس کا حلقۂ اثر وسیع ہو چنانچہ اس کے سکریٹری دادا بھائی نوروجی سے خط و کتابت ہوئی ذیل کا یہ خط سرسید کے مکاتیب کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہے۔

"بخدمت دادا بھائی نوروجی صاحب آنریری سکریٹری ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن

صاحب من۔ جو کوششیں میں نے اول اس ایسوسی ایشن کے حق میں کی تھیں ان کے نتیجے سے میں بخوشی آپ کو مطلع کرتا ہوں۔ بعض شخصوں نے جو بہ نسبت اور شخصوں کے ہندوستان کے معاملات میں زیادہ متوجہ تھے فوراً اس ایسوسی ایشن کی ممبری کے امیدوار ہوئے لیکن بہت سے شخصوں نے اس میں شریک ہونے سے تامل کیا کیونکہ ان کو اس امر کی نسبت اطمینان کلی نہ تھا کہ آیا اس سوسائٹی کے وسیلے سے ہندوستان کی حاجتیں رفع ہوں گی یا نہیں۔ جس وقت میں ہندوستان سے روانہ ہوا تھا میں نے پھر ان شخصوں سے یہ خواہش کی کہ وہ اپنی درخواست بھیج دیں لیکن انھوں نے وہی اعتراض پیش کیا اور یہ کہا کہ جس وقت سے یہ سوسائٹی قائم ہوئی اب تک اس نے کوئی کام ایسا نہیں کیا ہے جو اس ملک کے حق میں نافع ہو اور اس نے بہت سی تدبیریں پیش کیں لیکن کسی کو پورا نہیں کیا۔ چونکہ آپ کی کوئی کارروائی کبھی ہندوستان کی دیسی زبانوں میں مشتہر نہیں ہوتی ہے اس وجہ سے اس ملک کے امراء اس سوسائٹی کی جانب اور بھی کم مائل ہیں اور اس کی کارروائی میں بھی بہت کم توجہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کا نہایت صادق دوست

سید احمد"

"اطلاع از طرف خاکسار سید احمد

جو شفیق کہ بندہ سے خط و کتابت کرتے ہیں ان کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ میرے نام بیرنگ خط یا کم قیمت ٹکٹ لگا ہوا خط روانہ نہ فرمایا کریں۔ میں نے قطعاً ڈاک والے کو منع کر دیا ہے کہ جو خط بیرنگ یا کم قیمت ٹکٹ کا میرے نام پر پہنچے میرے پاس نہ لایا کرے بلکہ ڈاک خانہ ہی سے واپس کر دیا کرے۔

راقم

سید احمد"

"اطلاع

ہمارے پاس ہمارے بہت سے دوستوں کے خطوط آئے ہیں۔ جو اپنی عنایت سے میرا فوٹو گراف طلب فرماتے ہیں میں نے حال میں اپنا فوٹو گراف ایک نہایت عمدہ فوٹو گرافر سے بنوایا ہے اور وہ سب تصویریں فوٹو گراف کی کمیٹی مدرسۃ العلوم کو دے دی ہیں پس میرے جن دوستوں کو میری تصویر فوٹو گراف کی مطلوب ہو وہ دو روپیہ قیمت بھیج کر طلب فرمائیں وہ سب روپیہ چندہ مدرسۃ العلوم میں جمع ہو گا۔

راقم

سید احمد"

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سرسید فرقہ پرست نہ تھے گزٹ میں ان کی تمام تحریریں اس بات کی ضامن ہیں کہ وہ سچے محب وطن تھے اس کے علاوہ سرسید کی وسیع المشربی ان کے غیر فرقہ وارانہ ذہن کی عکاسی ان کے خوابوں کے کالج مدرسۃ العلوم مسلمانان اور بعد میں مسلم یونیورسٹی میں آج بھی ملتی ہے۔ ابتدا ہی میں مدرسۃ العلوم مسلمانان میں ہندو اساتذہ اور طلبہ کی اچھی تعداد ملتی ہے۔ ذیل کی اطلاع بھی ملاحظہ ہو۔

"اطلاع

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے بی۔اے کلاس کے ہندو طالب علموں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ جو ہندو طالب علم بھی امتحان بی اے میں فرسٹ ڈویزن میں پاس ہو گا اس کو سید احمد خاں اپنے پاس سے ایک طلائی تمغہ انعام میں دیں گے۔

دستخط سید احمد"

جی ایف آئی گراہم کو سرسید کے پہلے سوانح نگار ہونے کا مرتبہ حاصل ہے۔ گراہم سرسید کے دوستوں میں تھے۔ سائنٹفک سوسائٹی کے قیام کے سلسلے میں جو کوششیں سرسید نے کیں اور ہندوستان میں ہندوؤں، مسلمانوں اور انگریزوں کو پہلی بار ایک ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انھوں نے انجام دئے ان میں سرسید کے شریک کار جی۔ ایف۔ آئی۔ گراہم بھی تھے۔ گراہم نے انگریزی میں ۱۸۸۵ء میں THE LIF AND WORKS OF SYED AHMAD KHAN لکھی اس سوانح حیات کے اردو ترجمے کے سلسلے میں سرسید نے گزٹ میں یہ اطلاع دی۔

"لیف آف سید احمد خاں مصنفہ کرنل جی ایف گراہم

سید احمد خاں کے بہت سے دوستوں نے ان سے درخواست کی ہے کہ لیف کے اردو ترجمہ کرنے اور چھاپنے کی اجازت دیں ان صاحبوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اس لیف کے ترجمہ کرنے اور چھاپا کرنے کی اجازت دینا سید احمد خاں کے اختیار میں نہیں ہے مصنف نے اور لیف مذکور کے چھاپنے والے نے کاپی رائٹ معہ تمام حقوق تصنیف جس میں ترجمہ بھی داخل ہے قانوناً محفوظ کر لیا ہے پس اب اس کے ترجمہ اور چھاپنے کی اجازت دینا کرنل گراہم صاحب کے اختیار میں ہے بشرطیکہ انھوں نے چھاپنے والے سے کوئی خاص معاہدہ نہ کیا ہو اور اگر انھوں نے کوئی خاص معاہدہ کیا ہو گا تو چھاپنے والے کی اجازت درکار ہوگی۔ کرنل گراہم یقین ہے کہ جنوری میں ہندوستان میں آجاویں گے اس وقت سب حال معلوم ہو جاوے گا۔"

خلیل الرحمٰن اعظمی

رفتار

شعر و ادب کے حسن و قبح کو پرکھنے کی کسوٹی کسی زمانے میں محض زبان و بیان اور قواعد و عروض کے چند بندھے ٹکے اصول تھے۔ شاعروں کی چشمکوں اور ادبی معرکہ آرائیوں سے لے کر درسگاہوں تک انھیں اصولوں کی حکمرانی تھی۔ پھر ایک ایسا دور آیا جب شعری اور ادبی تخلیقات کو اس تنگنائے سے باہر نکلنے کا موقع ملا اور موضوع و معنی کی قدر و قیمت سے بحث ہونے لگی۔ اردو میں تنقید و انتقاد کو صحیح معنوں میں اسی وقت سے پروان چڑھنے کے لئے ایک ساز گار فضا میسر آئی۔ مگر یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ہماری ادبی تنقید نے روزِ اول سے ہی اخلاقی اور افادی اقدار پر اس قدر توجہ کی کہ شعری اور ادبی لطافت کے بہت سے اور خالصتاً جمالیاتی تقاضوں کو ہم نے پس پشت ڈال دیا۔ ادب کی تحسین نہایت پیچیدہ عمل ہے۔ بسا اوقات ایک ایسا شعر یا نثر پارہ جو اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت مفید، معقول اور اعلیٰ سماجی یا اخلاقی اقدار کا حامل ہو بے کیف اور بے اثر معلوم ہوتا ہے اس کے برخلاف واقع یا جرات کا کوئی ناسقانہ شعر سن کر منھ سے بے اختیار داد نکل جاتی ہے۔ آخر وہ کون سا جادو ہے جو ایک معمولی اور مبتذل خیال یا تجربے کو حسین بنا دیتا ہے اور وہ کون سا عنصر ہے جس کی غیر موجودگی ایک اعلیٰ و ارفع معنی کو تاثیر اور لذت سے محروم کر دیتی ہے۔ اردو تنقید حالی کی افادی و اخلاقی تنقید سے لے کر موجودہ دور کے ادبی دبستانوں تک نہ جانے کتنی منزلیں طے کر چکی ہے مگر ادبی تخلیق کے اس راز کو دریافت کرنے میں عموماً ناکام رہی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہمارے اندر شعر و ادب سے لطف اٹھانے اور اس سے متاثر ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو یا ہماری جمالیاتی اور تخلیقی حس بالکل کند ہو گئی ہو۔ عام طور پر ہمارا رویّہ اس سلسلے میں نارمل ہوتا ہے خاص طور پر اس شخص کا جو محض ادب کا ایک قاری یا سامع ہو اور شعر یا ادبی تحریر اس کی ذہنی تسکین کے لئے غذا کا کام کرتی ہو مگر ہمارے یہاں گذشتہ تیس برس میں جس طور پر اردو کے ادیبوں اور نقادوں کے ادبی مزاج کی تشکیل ہوئی ہے اس نے ادبی لطف اندوزی کی راہ میں طرح طرح کی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ نظریہ، فلسفہ، عقیدہ، سماجی افادیت، صحت مندی، اجتماعیت، اجتماعی شعور اور نہ جانے کتنی اصطلاحات جن کو ہم نے ضرورت سے زیادہ اپنے اوپر طاری کر لیا ہے۔ ہماری ادبی تاریخ کا یہ دور تحریکوں کا دور رہا ہے۔ ادبی تحریکوں سے ادب کے ارتقا میں یقیناً مدد ملتی ہے مگر تحریک زدگی کبھی کبھی ہم کو اصل ادب سے دور بھی کر دیتی ہے۔ کوئی تحریک اگر چند فارمولوں اور نسخوں یا چند تنقیدی مفروضات کو ہی ادب کی اساس سمجھنے لگے تو اس تحریک کے سائے میں پروان چڑھنے والا ادیب اور شاعر اپنے شخصی تجربات اور باطنی کیفیات پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اپنے حقیقی جذبات اور دلی واردات کی نفی کر کے ان خیالات پر اپنی تحریروں کی بنیاد رکھنے لگتا ہے جو در اصل اس کی تخلیقی شخصیت سے فطری مناسبت نہیں رکھتے۔

ترقی پسند ادب کی تحریک کے عروج و زوال سے آج کے ادیبوں کی نسل بہت کچھ سیکھ سکتی ہے۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اس تحریک کے سائے میں جب تنقید کو فروغ ہوا وہ شعر یا افسانہ پڑھنے سے پہلے یہ معلوم کرتی تھی کہ یہ ادیب یا شاعر کون ہے؟ اس پر ترقی پسندی کا لیبل لگا ہوا ہے یا نہیں؟ وہ انجمن ترقی پسند مصنفین کا رکن ہے یا نہیں؟ اگر رکن ہے تو اس سیاسی جماعت سے کس حد تک وابستہ ہے جس کے نظریے یا فلسفے کو ترقی پسندی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو وہ چاہے جس طرح کی چیز لکھے اس کا

سعادت نظیر

سید احمد خاں

تھا وطن غم خانہ پہلی جنگ آزادی کے بعد
کیا سنائیں حال آبادی کا بربادی کے بعد
دل شکن حالات تھے ہر آدمی افسردہ تھا
زندگی کی گود میں ہر جسم گویا مردہ تھا
ایسے میں "سید" امیدوں کا سہارا بن گیا
قوم مردہ کے لئے جیسے مسیحا بن گیا
ہے حقیقت تلخ و شیریں جس کی ہر تحریر میں
لذتِ ذوقِ عمل ہے جس کی ہر تقریر میں
جو نہ گھبرایا کبھی پر شور طوفانوں سے بھی
جس نے دکھ جھیلے یگانوں سے بھی بیگانوں سے بھی
جو کسی کی دشمنی کی آگ میں جلتا نہ تھا
جس کے سینے سے تعصب کا دھواں اٹھتا نہ تھا
جس کا دل اہلِ وطن کے درد سے معمور تھا
شب کی تاریکی میں گویا وہ منارِ نور تھا
روح بے جانوں میں پھونکی ندرتِ افکار سے
وقت کا رخ اس نے بدلا قوتِ کردار سے
خود وہ تنہا انجمن تھا، انجمن کی جان بھی
تھا جہانِ نو کا وہ عہد آفریں انسان بھی
دل حریفِ دورِ گردوں صورتِ پیمانہ تھا
شمعِ احساساتِ انسانی کا وہ پروانہ تھا
پا سکے گا کوئی کیا اس کا مقامِ زندگی
اس کی وہ تعلیم، وہ اس کا پیامِ زندگی
یہ حقیقت ہے، کوئی افسون و افسانہ نہیں
قوم کا دیوانہ فرزانہ ہے، دیوانہ نہیں

ذکر نمایاں طور پر ہوتا تھا۔ اس کی جماعتی وابستگی یا وفاداری اس کے تمام ادبی گناہوں اور فنی کوتاہیوں کا بدل بن جاتی تھی۔

رفتہ رفتہ یہ لے اتنی بڑھی کہ بعض اوقات کسی ادیب کی تحریر کے لئے یہی سند کافی تھی کہ وہ کسی ترقی پسند رسالے میں چھپی ہے۔ بعض رسالے تحریک کے سرکاری آرگن کی حیثیت رکھتے تھے اور اس میں چھپنے والا تمام مواد نقادوں اور ادیبوں کے لئے قابل قبول سمجھا جاتا تھا۔ تحریک پر ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جب بعض رسالوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ گویا ان رسالوں میں لکھنے والا خواہ اس کی تحریر ترقی پسندی کیوں نہ ہو اس کی ترقی پسندی مشکوک سمجھی جائے گی۔ منٹو اور عسکری نے "اردو ادب" کے نام سے ایک رسالہ نکالا تھا یا وہ رسالے جن سے میراجی اور ان کے حلقے کے لوگ وابستہ تھے اسی ذیل میں آتے تھے۔

ادب میں جدیدیت کا میلان در اصل اسی غیر ادبی مسلک سے انحراف اور ردِ عمل کے طور پر وجود میں آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ صحیح معنوں میں جدید ادیب وہ ہے جو زندگی اور اس کے مظاہر کو اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں آزادانہ طور پر دیکھنے اور برتنے کی کوشش کرتا ہے اور تخلیقی عمل کو غیر فطری فارمولوں اور مفروضوں سے الگ رکھ کر فطری نشو ونما کو موقع دیتا ہے۔ ایسا ادیب چاہے وہ کسی درجے کا ہو اور اس کے موضوعات کا دائرہ خواہ وسیع ہو یا محدود سب سے پہلے ادب کے تخلیقی اور جمالیاتی تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کے یہاں اپنے دور کی آگہی اور ہوش مندی ہے اور اس نے زندگی کو رسمی اور روایتی زاویوں سے دیکھنے کے بجائے اس کی حقیقتوں کا ازسرِ نو انکشاف کیا ہے تو اس کی تحریر میں تازگی اور ندرت ضرور ہوگی۔ مگر ہمارے یہاں تحریکوں نے ادبی مزاج پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہے کہ بہت سے وہ ادیب بھی جو اپنے آپ کو جدیدیت کا نمائندہ کہتے ہیں جدیدیت کو ترقی پسندی کی طرح ایک فارمولا یا فیشن سمجھتے ہیں اور ادبی تفتیش میں اسی منصوبہ بندی سے کام لے رہے ہیں جو ترقی پسندوں کی خصوصیت تھی۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ بھی سوچنے لگے ہیں کہ فلاں شخص جدید ہے یا نہیں یعنی اس نے اپنے جدید ہونے کا اعلان کیا ہے یا نہیں؟ فلاں ادیب کس رسالے میں اپنی چیزیں چھپواتا ہے؟ اگر ایک ادیب یا شاعر مسلسل "شب خون" یا کسی ایسے ہی رسالے میں چھپتا رہا ہو لیکن اتفاق سے "گفتگو" "حیات" یا اسی قبیل کے کسی اور پرچے میں اس کی تحریر چھپ جائے تو اس کی "جدیدیت" مشکوک سمجھی جاتی ہے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ اس طرح کے جدید ادیبوں اور گزشتہ دور کے تحریکی ادیبوں کے ادبی مزاج میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ یہ لوگ بھی اپنے پیش رووں کی طرح ادب کی ایک مصنوعی فضا میں سانس لے رہے ہیں جو ان کے لئے آئندہ چل کر مہلک ثابت ہوگی۔ جدیدیت کا صحیح راستہ تو یہ ہوگا کہ کسی ادیب پر لیبل نہ لگایا جائے نہ کسی رسالے کو جدیدیت کا سرکاری ترجمان سمجھا جائے۔ کوئی تحریر اپنے طرزِ احساس، رویے اور اسلوب اظہار کی بنا پر ہی جدید کہلانے کی مستحق ہوگی۔ اگر ایسی تحریر ہمیں مخدوم، سردار جعفری یا کرشن چندر کے قلم سے بھی نظر آئے تو اسے جدید

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

پروفیسر نجیب اشرف ندوی مرحوم

ابھی ابھی یہ اطلاع ملی ہے کہ بمبئی میں پروفیسر نجیب اشرف ندوی کا انتقال ہو گیا۔ ان کی شگفتہ متانت ان کا پرسوز خلوص اردو کی تحریکوں سے ان کی گہری دلچسپی، تعمیری کاموں سے ان کی والہانہ محبت۔ پھر ان کا علم و فضل اور مرنجان مرنج طبیعت۔ اس عہد میں ہمارا بہت بڑا سہارا تھیں۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی شخصیت کے سائے میں ہمیں زمانہ کی کڑی دھوپ سے پناہ مل گئی ہے۔ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو جس طرح دا ہمہ سے حقیقت بنا دیا اور شاگردوں اور کارکنوں کی ایک جماعت پیدا کر دی وہ ان ہی کا کارنامہ ہے۔ وہ در اصل ان رندان قدح خوار میں سے تھے جن میں علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبد الحق کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اور جن کی میزان قدر میں علم کے ساتھ عمل بھی ضروری تھا۔ سامرسٹ ماہم نے اپنے زمانے کی یونیورسٹی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں کے علمی مقابلے مجادلے میں اور دروغ و حسد کی وہ گرم بازاری ہے کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ اردو میں بھی ایسے معرکوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ ندوی صاحب مرحوم سے میرے تعلقات ۲۳ برس سے تھے لیکن مجھے نہیں یاد کہ انھوں نے کبھی کسی کے متعلق کوئی نا ملائم کلمہ زبان سے نکالا ہو، یا اپنے آپ کو کسی گروہ میں شامل کیا ہو۔ اگر تنقید بھی کی ہے تو ہمدردی کے ساتھ اور اس طرح کہ رخِ سخن پر رنگِ ادب باقی رہا ہے۔ در اصل ان کا دل محبت سے اس درجہ بھرا ہوا تھا کہ اس میں "کینۂ اغیار" کے لئے جگہ تھی ہی نہیں۔

آخر زمانہ میں ندوی صاحب کی صحت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ شاید اور جیتے لیکن ان کے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کی بے اعتنائی اور بے مہری اتنی بڑھ گئی تھی کہ مرض سے مقابلہ کی تاب و توانائی ان کے اندر باقی نہیں رہی تھی۔

بوستہ گر وہ تنگ ہیں اور یہ عمر گزراں　　　سب ٹھہر جائیں گے اس کو کوئی روکے تو سہی

ان کے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک شفیق استاد ایک باعمل عالم، ایک مخلص دوست، ایک پیر محبوب سے محروم ہو گئے۔

اصغر عباس

ایک جوئے کہستاں کی موج رواں

سرسید نے مسلمانوں کو قرون وسطیٰ کے اندھیرے سے نکال کر جدید خیالات کی دھوپ میں لاکھڑا کیا۔ یہ کام کس قدر مشکل تھا اس کا اندازہ ہم آج بھی کر سکتے ہیں کیونکہ آج بھی حالات کے تقاضے تقریباً وہی ہیں جو سرسید کو درپیش تھے۔ اس لئے سرسید کو سچا خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کے کارناموں کا جائزہ لیں اور ان کے بنیادی منصوبوں کو خضر راہ بنائیں۔ ذیل میں سرسید کے کارناموں کا ایک نہایت مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۷ر اکتوبر ۱۸۱۷ء — دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والدہ، نانا خواجہ فرید الدین اور شاہ غلام علی کی نگرانی میں ہوئی۔

۱۸۳۸ء — دہلی کی عدالت میں ملازم ہوئے

۱۸۳۹ء — آگرہ میں نائب منشی کے عہدہ پر تقرر ہوا۔

۱۸۴۰ء — رسالہ قواعد اردو (غیر مطبوعہ[1]) جو سرسید کی اولین تصنیف ہے کی تکمیل کی اور اسی سال جام جم شائع کیا۔

۱۸۴۱ء — مین پوری میں منصف مقرر ہوئے

۱۸۴۲ء — مین پوری سے فتح پور سیکری تبادلہ ہوا۔ اسی سال بادشاہ دہلی نے جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب دیا۔ رسالہ جلاء القلوب بذکر المحبوب، کی اشاعت ہوئی۔

۱۸۴۴ء — رسالہ تحفۂ حسن اور تسہیل فی جر ثقیل مکمل کیا

۱۸۴۶ء — رسالہ فوائد الافکار فی اعمال الفرجار کا اردو ترجمہ کیا۔

۱۸۴۷ء — آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن شائع کیا۔

۱۸۴۹ء — رسالہ کلمۃ الحق شائع کیا

۱۸۵۰ء — رسالہ سنت در رد بدعت کی اشاعت

۱۸۵۲ء — نمیقہ در بیان مسئلہ تصور شیخ اور سلسلۃ الملوک کی تکمیل ہوئی۔

۱۸۵۴ء — آثار الصنادید کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

۱۸۵۵ء — بجنور میں صدر امین مقرر ہوئے۔ یہیں آئین اکبری کی تصحیح کے بعد اس کی پہلی اور تیسری جلد شائع کی دوسری جلد کی تصحیح کا مسودہ غدر میں تلف ہو گیا

۱۸۵۸ء — مراد آباد میں صدر الصدور مقرر ہوئے۔ تاریخ سرکشی ضلع بجنور شائع کی۔

۱۸۵۹ء — بغاوت کرنے والوں کی جائداد و ضبط کے کمیشن میں ممبر نامزد ہوئے۔ اسباب بغاوت ہند لکھی اور مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔

۱۸۶۰ء — رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا کا اجرا کیا اور رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ تحریر فرمایا۔

۱۸۶۲ء — غازی پور تبادلہ ہوا۔ تاریخ فیروز شاہی کی تصحیح کی۔ تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علیٰ ملۃ الاسلام شائع کیا۔

۱۸۶۳ء — التماس بخدمت ساکنان ہند در باب ترقی تعلیم اہل ہند چھاپ کر مشتہر کیا۔

۱۸۶۴ — غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے بارے میں

EMINENT MUSSALMANS

میں سرسید کا سوانح نگار رقمطراز ہے کہ

IT WAS AN HONEST ATTEMPT ON THE PART OF SIRSYED TO BRING HINDUS AND MOHAMEDANS ON ONE COMMON NON CONTROVERSIA- PLAT FORM

غازی پور میں سرسید نے ایک انگریزی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اسی سال ان کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی برطانیہ کے اعزازی ممبر منتخب ہوئے۔ تزک جہانگیری ترتیب دی۔

۱۸۶۵ء — سائنٹفک سوسائٹی کی طرف سے گورنمنٹ کو ایک عرضداشت بھیجی کہ زراعت کے موضوع پر سوسائٹی سے کتابیں شائع کرنے کا بندوبست ہو اور اس سلسلہ میں سرکار امداد دے۔ اسی سال تبیین الکلام کی دوسری جلد شائع ہوئی۔

۱۸۶۶ء — برٹش انڈین ایسوسی ایشن قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے پارلیمنٹ سے رابطہ قائم کریں اور یہ انجمن اس سلسلہ میں امداد دے۔ اسی سال ۳۰ر مارچ سے اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کا اجرا کیا۔

---

[1] رسالہ قواعد اردو (غیر مطبوعہ) عبدالغفار صاحب شکیل ترتیب دے رہے ہیں۔

۱۸۶۷ء برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی جانب سے وائسرائے کو ایک عرضداشت بھیجی کہ دیسی زبان کی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں "بڑے بڑے علوم و فنون کی تعلیم دیسی زبان میں ہوا کرے" اسی سال سرسید کا تبادلہ علی گڑھ سے بنارس ہوگیا۔ یہاں انھوں نے ہومیوپیتھک طریقۂ علاج کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک کمیٹی قائم کی اور ایک شفاخانہ "ہومیوپیتھک ڈسپنسری اینڈ ہاسپٹل" کھولا۔

۱۸۶۸ء رسالہ احکام طعام اہل کتاب شائع کیا

۱۸۶۹ء بنارس سے انگلستان تشریف لے گئے یہاں سرسید نے ہندوستان میں انگریزی نظام تعلیم کی خامیوں پر ایک رسالہ انگریزی میں STAICT URES UPON THE PRESENT EDUCATIONAL SYSTEM IN INDIA شائع کیا۔ الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ چھاپ کر مشتہر کیا۔ اس کے متعلق محسن الملک کو لندن سے لکھتے ہیں "مواعظ احمدیہ (یعنی خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا ملنا جلنا سب بند ہے۔۔ ۔۔۔ ہزار روپیہ بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے اور لکھ دیا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مس تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو۔۔۔۔۔ کیا کہیے اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہوگیا ہے" لندن ہی سے وہ اخبار سائنٹفک سوسائٹی کو لندن کے سفر کے حالات لکھ کر بھیجتے رہے جو قسط وار اخبار میں شائع ہوئے۔ لندن میں وہ ایتھینیم کلب کے اعزازی ممبر منتخب ہوئے۔ اسی سال انھیں سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا۔

۱۸۷۰ء لندن سے ہندوستان واپس آئے۔ تہذیب الاخلاق کا اجرا فرمایا کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کی تشکیل کی۔

۱۸۷۱ء ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب OUR INDIAN MUSSALMANS کا جواب لکھا۔

۱۸۷۲ء کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کی تشکیل کی

۱۸۷۳ء مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قیام کی اسکیم پیش کی جس میں مدرسۃ العلوم کو تین مدرسوں میں تقسیم کیا ایک مدرسہ انگریزی کا جس میں سارے علوم انگریزی میں پڑھائے جائیں۔ دوسرا حصہ اس مدرسہ کا اردو ہوگا اور تمام علوم و فنون سب اردو میں پڑھائے جاویں گے مگر اس کے ساتھ ہر ایک طالب علم کو دوسری کوئی السنۂ ذیل زبانوں میں سے سیکھنی پڑے گی انگریزی یا فارسی یا عربی۔ تیسرا حصہ اس مدرسہ کا عربی فارسی کا تھا۔

۱۸۷۵ء مدرسۃ العلوم مسلمانان (ایم۔اے۔او کالج) قائم کیا

۱۸۷۶ء ملازمت سے پنشن لے لی تفسیر قرآن لکھنے کی ابتدا کی

۱۸۷۷ء لارڈ لٹن علی گڑھ گئے اور ایم۔اے۔او کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔

۱۸۷۸ء وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر نامزد ہوئے۔

۱۸۷۹ء چیچک کے قانون کا مسودہ مرتب کیا اور اسے پاس کرایا۔ تہذیب الاخلاق کو دوسری بار جاری کیا۔

۱۸۸۰ء قانون تقرر قاضیان اور قانون وقف خاندانی کا مسودہ مرتب کیا۔ البرٹ بل کی کونسل میں حمایت کی۔ اسی سال انسٹی ٹیوٹ پریس سے تفسیر القرآن کی پہلی جلد شائع کی۔

۱۸۸۲ء ایجوکیشنل کمیشن کے ممبر ہونے سے انکار کیا تاکہ کمیشن کے سامنے ہندوستان کی تعلیمی حالت پر شہادت دی جائے۔ کمیشن کے سامنے جب اردو ہندی کا مسئلہ ابھارا گیا تو سرسید اردو کے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہوگئے۔ تفسیر القرآن کی دوسری جلد شائع کی۔

۱۸۸۳ء محمڈن سول سروس فنڈ ایسوسی ایشن قائم کی

۱۸۸۵ء تفسیر القرآن کی تیسری جلد شائع کی

۱۸۸۶ء محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس (مسلم ایجوکیشنل کانفرنس) قائم کی

۱۸۸۷ء سول سروس کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے

۱۸۸۸ء پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی۔ اسی سال تفسیر القرآن کی چوتھی جلد شائع کی۔ اس سال کی ابتدائی تاریخوں میں کے سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب ملا۔

۱۸۸۹ء ٹرسٹی بل مشتہر کیا۔

۱۸۹۲ء ایڈمبرا یونیورسٹی سے ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری ملی تفسیر القرآن کی پانچویں جلد شائع کی۔

۱۸۹۴ء تہذیب الاخلاق کا تیسری بار اجرا کیا

۱۸۹۵ء تفسیر القرآن کی چھٹی جلد شائع کی

۱۸۹۸ء ۲۷ مارچ کو قوم کا یہ لعل بے بدل موت کی آغوش میں چلا گیا وفات سے پہلے ۱۹ مارچ کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اردو کی حمایت میں ایک اداریہ لکھا۔ اردو کی حمایت میں یہ ان کی آخری تحریر ہے۔

مراسلات

غالب اور سرسید

ماہنامہ ماہ نو کراچی کی اشاعت فروری ۱۹۵۱ء میں مشہور محقق جمیل نقوی کا ایک گرانقدر مضمون غالب اور سرسید کے زیر عنوان شائع ہوا تھا جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا کی تصانیف نظم و نثر اور ان کے کمالات و حالات پر اردو میں سب سے پہلے سرسید نے قلم اٹھایا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف آثار الصنادید میں مرزا پر سترہ صفحے وقف کئے ہیں۔

آثار الصنادید کی تصنیف ۱۸۴۶ء کے وقت مرزا کی عمر ۴۹ سال تھی کلکتہ کا پہلا سفر کر چکے تھے اور ملک میں ایک انشا پرداز اور شاعر کی حیثیت سے کافی شہرت کے مالک تھے۔

کیا ان حقائق کی بنا پر آثار الصنادید میں غالب کے اس تذکرہ کو اردو میں ان کے تعارف کی سب سے پہلی تحریر قرار دیا جا سکتا ہے ہماری زبان میں ارباب نظر اس معاملہ پر ضرور محققانہ نظر ڈالیں۔

(محمد ظہیر، اوتی کامٹی ضلع ناگپور مہاراشٹر)

جمیل مظہری کے ایک شعر کے بارے میں

ہماری زبان کی ۲۲ر فروری ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں آپ نے صفحہ ۸ پر جمیل مظہری صاحب کا ایک شعر اس طرح نقل کیا ہے ؎

ہم پھول نہ شبنم ہیں نہ کھیتوں پہ گھٹا ہیں
جلتے ہوئے تپتے ہوئے صحرا کی دعا ہیں

اس شعر کا پہلا مصرعہ صحیح نہیں ہے۔ میں قارئین ہماری زبان کی واقفیت کے لئے اصل شعر ذیل میں درج کر رہا ہوں ؎

ہم پھول پہ شبنم نہیں کھیتوں پہ گھٹا ہیں
جلتے ہوئے تپتے ہوئے صحرا کی دعا ہیں

واضح ہو کہ یہ جمیل صاحب کی اس غزل کا مقطع ہے جو موصوف نے 'بزم ادب' رانچی کالج یونی ورسٹی کی ایک خصوصی نشست منعقدہ ۱۸ر فروری ۱۹۷۸ء میں سنائی تھی۔ یہ غزل رانچی کالج میگزین کے آئندہ شمارے بابت ۷۹-۱۹۷۸ء میں شائع بھی کی جا رہی ہے۔

(ابوذر عثمانی شعبۂ اردو، رانچی کالج)

صفحہ ۳ سے آگے

اس شد و مد کے ساتھ کی کہ سارے ملک میں تہلکہ مچ گیا۔ انھوں نے علی الاعلان کہا تھا "ہمیں دکھا دینا چاہئے کہ بلاشبہ گورنمنٹ کو لوگوں کی جانوں پر اختیار ہے۔ مگر لوگوں کی رائے پر نہیں"۔ یہی جرأت و ہمت کا وہ پہلا نعرہ تھا، جو تقریباً نصف صدی کے بعد مقاطعہ اور عدم تعاون کی تحریک بن کر ظاہر ہوا۔

اس بزرگ قوم کی دوسری خوبیوں کے علاوہ سب سے بڑی خوبی ان کی حق گوئی اور حب الوطنی تھی۔ جس کا ایک زبردست ثبوت وہ تاریخی رسالہ اسباب بغاوت ہند ہے جو تعاون کی صورتوں میں حکومت کی سخت ترین خامیوں کو بیان کرتا ہے۔ اور ہندوستان کے مطالبہ حقوق کی قرارداد اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر کس خطرناک اور قول ریزی کے زمانہ میں وہ لکھا اور شائع کیا گیا۔ جب کہ ملک میں فوج حکمران تھی اور ہر ہندوستانی اس کی گولیوں کا نشانہ۔ چنانچہ دوست، ہمدرد اور معتقد سبھی مانع تھے خصوصاً ماسٹر رام چندر (دہلی کالج) کے چھوٹے بھائی رائے شنکر داس جو اس وقت مراد آباد میں منصف تھے اور گہرے دوست انھوں نے کہا "ان کل رسالوں کو جلا دو اور ہرگز اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالو مگر جواب ملا" ایک ایسے کام پر جو حکومت اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہے اگر مجھ کو گزند بھی پہنچے تو گوارا ہے۔" رسالہ شائع ہوا آگ بھی لگی اور جان کے لالے پڑے۔ لیکن یہ مطمئن و شاد کام تھے۔ فوج منتظر ہے کہ گرفتار کریں اور گولی ماریں۔ معتمد خارجہ جناب بیڈن نے شعلے بلند کئے۔ بغاوت کا الزام لگایا سخت ترین سزا کا مستحق کہا لیکن انھوں نے تحمل سے کام لیا اور بالآخر رسالہ کے مضامین سے اتفاق کرنا پڑا۔

یہ تھے سید احمد خاں جنھیں سلطنت مغلیہ سے جواد الدولہ کا آبائی خطاب ملا۔ بادشاہ نے بطور خود عارف جنگ کا لقب دیا۔ اور عوام الناس کے نزدیک بزرگ قوم ٹھہرے انگریزوں کے دوست درفیق ابر طانیہ عظمیٰ کے نامور اور سرافراز، خیال کی بلندیوں اور عمل کی برکتوں سے دنیا پر چھائے۔ شہرت و عظمت کی داستان سارے عالم میں پھیلی۔ آج اپنی یادگار کے ایک گوشے میں دو گز زمین کے نیچے پڑے سوتے ہیں اور لوح مزار کا کتبہ نقیب بن کر پکار رہا ہے ؎

تا بہ یک جلوہ بیا در دو نوئی و نظور
این دلم ہست کہ صد گونہ ز اراد دیدہ است

باقی صفحہ ۷ سے آگے

کہنا ہوگا۔ کسی ادیب یا شاعر کو ہم ایسی اکائی نہیں قرار دے سکتے جو محض ایک خصوصیت کا حامل ہو اور دوسری خصوصیت کبھی اس میں پیدا ہی نہ ہو۔ زندگی کی طرح خود انسان بھی متحرک اور تغیر پذیر ہے۔ ایک ہی ادیب ایک تخلیق میں قدامت کا حامل ہو سکتا ہے تو دوسری تخلیق میں جدیدیت کا۔ اسی طرح اس کی کوئی تحریر ناکام ہو سکتی ہے تو دوسری کامیاب۔ ادب اور ادبی تنقید کو ادبی اور جمالیاتی معیاروں کے علاوہ دوسرے تمام مفروضات سے بالاتر ہونا ہوگا۔ جدید نسل کو اسی ادبی مزاج اور تخلیقی رویے کو آگے بڑھانا ہے ورنہ جدیدیت بھی کچھ دنوں میں ایک تحریک بن کر رہ جائے گی اور اس کے خلاف بھی وہی ردعمل ہوگا جو گذشتہ تحریکوں کے خلاف ہوا۔

آندھرا میں غالب کی سویں برسی کا پروگرام

حیدرآباد۔ اردو کے شہرۂ آفاق شاعر حضرت غالب کی صد سالہ جشن کی تقریبات ۱۵؍ اور ۱۶؍ فروری ۱۹۶۹ء کو آندھرا پردیش کے مستقر حیدرآباد میں منائی جائے گی۔ صد سالہ جشن غالب کمیٹی برائے آندھرا پردیش نے اپنے حالیہ اجلاس منعقدہ ۱۱؍ ستمبر ۱۹۶۸ء میں ان تقریبات کو نہایت ہی شاندار پیمانے پر منانے کے لئے ایک وسیع تر پروگرام کو قطعیت دی ہے۔ ریاستی حکومت سے ۱۵؍ فروری ۱۹۶۹ء کو عام تعطیل کا اعلان کرنے کی خواہش کی گئی ہے۔ ان تقریبات کی صدارت کے لئے ڈاکٹر بی گوپال ریڈی، گورنر اتر پردیش سے خواہش کی جائے گی۔ جناب کھنڈو بھائی دیسائی، گورنر آندھرا پردیش سے ان تقریبات کی رسم افتتاح انجام دینے کے لئے ربط پیدا کیا جائے گا۔ اس موقع پر ۱۵؍ فروری ۱۹۶۹ء کو "شب غالب" کے نام سے ایک کلچرل پروگرام پیش کیا جائے گا اور دوسرے دن یعنی ۱۶؍ فروری کو ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوگا کمیٹی اس بات کے لئے بہت کوشاں ہے کہ فرحت اللہ بیگ کا لکھا ہوا "یادگار مشاعرہ" اس موقع پر پیش کیا جائے۔ ان تقریبات میں ایک تلگو اجلاس بھی شامل ہے جس میں غالب سے متعلق تلگو کتابوں کی رسم اجرا انجام دی جائے گی۔ اس اجلاس کے افتتاح کے لئے آندھرا پردیش کے چیف منسٹر جناب برہمانند ریڈی سے خواہش کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ آندھرا کے وزیر مواصلات جناب جے وی نرسنگ راؤ اس تلگو اجلاس کی صدارت کریں گے۔ تلگو اجلاس کے کنوینر جناب ڈی راما نج راؤ صاحب معتمد آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی ہوں گے۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری سے اس موقع پر غالبیات کی نمائش ترتیب دینے کی خواہش کی گئی ہے۔ جناب مالک رام، جناب آنند نرائن ملا اور ایسی ہی دوسری ممتاز ادبی شخصیتوں سے ان تقریبات میں شرکت کی خواہش کی جا رہی ہے۔ ان تقاریب کے سلسلے میں جو ادبی کمیٹی قائم کی گئی ہے اس کی رپورٹ کے بموجب آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی نے غالب کی منتخب غزلوں کے تلگو میں ترجمے کا کام مکمل کر لیا ہے اور اس کے مسودہ پر بھی نظر ثانی کی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ غالب کے فن پر انگریزی میں مضامین کا ایک مجموعہ زیر ترتیب ہے۔ آندھرا پردیش سے تعلق رکھنے والے اسکالرز نے غالب پر جو مضامین لکھے ہیں انھیں بھی ایک مجموعہ کی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ غالب کے ہم عصر مختلف ہندوستانی زبانوں کے شعراء پر مضامین لکھوائے جائیں گے تاکہ انھیں ایک مجموعہ کی شکل میں پیش کیا جا سکے۔ یہ مجموعہ پہلے انگریزی میں اور بعد میں اردو میں شائع کیا جائے گا۔ کمیٹی نے ایک اور تجویز بھی منظور کی ہے کہ غالب کے فارسی کلام کا اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان تقریبات پر تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوگا جس میں غالب کے نام سے ایک ہال کی تعمیر کا منصوبہ بھی شامل ہے۔ ان تقریبات کے لئے مالیہ کی فراہمی کی چند تجاویز پر بھی غور کیا گیا اور کہ اس خصوص میں مرکزی حکومت، ریاستی حکومت، نظام چیریٹیبل ٹرسٹ اور مجلس بلدیہ حیدرآباد سے ربط پیدا کرنے کا فیصلہ کیا گیا نیز اردو کی مختلف تنظیموں اور اداروں سے بھی خواہش کی جائے گی کہ وہ اس سلسلے میں مدد کرے۔ استقبالیہ کمیٹی کی فیس رکنیت دس روپے رکھی گئی ہے۔ آخر میں یہ تجویز بھی منظور کی گئی کہ مرکزی کمیٹی دہلی سے خواہش کی جائے کہ وہ تمام ریاستی کمیٹیوں اور انفرادی طور پر صد سالہ جشن غالب منانے والوں کے کام کو مربوط شکل میں پیش کرنے کے لئے ایک نیم ماہی خبرنامہ جاری کرے جس میں ملک بھر کے مختلف اداروں اور افراد کی جانب سے انجام پانے والی سرگرمیوں کی تفصیلات ہوں تاکہ غالب کی صد سالہ تقریبات کے کاموں میں تکرار پیدا نہ ہو اور انھیں منظم شکل میں انجام دیا جا سکے۔

(سرینواس لاہوٹی جوائنٹ کنوینر صد سالہ جشن غالب کمیٹی آندھرا پردیش)

سیفیہ کالج میں غالب صدی تقریبات

بھوپال: سیفیہ کالج کے شعبۂ اردو کے زیر اہتمام شائع ہونے والے جریدۂ "مجلۂ سیفیہ" نے برصغیر کے باشعور علمی اور ادبی حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اس معیاری صحیفہ کا غالب نمبر زیر ترتیب ہے۔ غالب صدی کے موقع پر پیش کئے جانے والے اس خاص نمبر میں ممتاز قلمکاروں کے اہم تنقیدی اور تحقیقی مضامین کے علاوہ طلبہ کی ادبی کاوشیں بھی شامل ہوں گی۔ غالب صدی تقریبات کے سلسلے میں انجمن اردوئے معلی بھی یادگار پروگرام پیش کرنے کی تیاری میں مصروف ہے۔ غالب سے متعلق مختلف موضوعات پر تقاریر، طرحی مشاعرہ، "شب غزل" (غالب کی غزلوں کا موسیقی پروگرام) وغیرہ کے متعلق تفصیلات طے کی جا رہی ہیں۔ ان پروگراموں میں شرکت کے لئے ملک کے نامور فنکاروں، ممتاز قلمکاروں اور معروف شخصیتوں کو مدعو کیا جائے گا۔

(عتیق الرحمن)

اردو گھر فنڈ

چندہ اردو گھر فنڈ یکم اکتوبر تا ۱۵؍اکتوبر ۱۹۸۸ء

نمبر شمار	نام و مقام معطی	رقم چندہ	ذریعہ ترسیل	ذریعہ وصولیاد / کیفیت
۱	طلبۂ جنتن اردو ہائی اسکول کلیان ضلع تھانہ	۸۰۰-۰۰	منی آرڈر	معرفت پرنسپل صاحب
۲	وحید اللہ خاں صاحب جج بھوپال	۲۰۰۰-۰۰	〃	خود
۳	بیگم رحم علی الہاشمی صاحبہ علی گڑھ	۵۰-۰۰	نقد	〃
۴	آنند پرکاش کپور صاحب امرتسر	۱۰۰-۰۰	چیک	[illegible]
۵	راجن سلک ملس 〃	۱۰۰-۰۰	〃	〃
۶	وشوناتھ مہرا صاحب 〃	۲۰-۰۰	〃	〃
۷	شری دیال صاحب 〃	۵۰-۰۰	〃	〃
۸	روشن لال صاحب 〃	۵۰-۰۰	〃	〃
۹	برج لال اروڑہ صاحب 〃	۵۰-۰۰	〃	〃
۱۰	لالہ کرشن لال پردیومن لال صاحب	۵۰-۰۰	〃	〃
۱۱	پرکاش سائیکل اسٹور	۵۰-۰۰	〃	〃
۱۲	اشوک کمار صاحب 〃	۲۰-۰۰	〃	〃
۱۳	جسٹار سنگھ کھنگر جی	۳۰-۰۰	〃	〃
۱۴	چرن جیت اگروال صاحب 〃	۲۰-۰۰	〃	〃
۱۵	رودیندر کمار صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۱۶	ایشیاٹک ٹریڈنگ کارپوریشن 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۱۷	رنجیت سنگھ صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۱۸	پنڈت ہیرا چند صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۱۹	ترسیم لال	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۰	شری بے رائے صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۱	شری وی پی جین صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۲	رمیش چند صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۳	شری وی ماتھر۔اے صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۴	امرجیت سنگھ صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۵	بابو مہندر سنگھ صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۶	شیوراج بوہر صاحب	۱۰-۰۰	〃	〃
۲۷	کاشی رام من لال صاحب	[illegible]	〃	〃
۲۸	دالا نیام پی عبداللہ صاحب کالی کٹ۔۳	۵۰-۰۰	منی آرڈر	خود
۲۹	خلیل خاں صاحب کوٹ اکھاڑہ عبوبنگ	۲۰-۰۰	〃	[illegible]
۳۰	طلبۂ سکنڈ ایر ڈی ایڈ ایم ایم گورنمنٹ ایم ایل ہائر سکنڈری اسکول پلوامہ	۱۵-۰۰	〃	〃
۳۱	طلبۂ ۔۔ پی ایم ایم گورنمنٹ ایم ایل ہائر سکنڈری اسکول پلوامہ	۱۱-۰۰	〃	معرفت غلام رسول صاحب مانیٹر
۳۲	〃 III ایر سی 〃 〃 〃	۱۵-۵۰	〃	مشتاق احمد صاحب مانیٹر
۳۳	〃 II 〃 بی 〃 〃 〃	۱۸-۰۰	〃	غلام محی الدین صاحب مانیٹر
۳۴	〃 II 〃 سی 〃 〃 〃	۱۶-۵۰	〃	علی محمد ڈار صاحب مانیٹر
۳۵	〃 I 〃 سی 〃 〃 〃	۳۲-۰۰	〃	منظور احمد ڈار صاحب مانیٹر
۳۶	〃 XII 〃 〃 〃 〃	۱۴-۰۰	〃	ثناء اللہ صاحب مانیٹر
۳۷	〃 III 〃 بی 〃 〃 〃	۱۳-۰۰	〃	عبدالاحد ملک صاحب مانیٹر
۳۸	جناب محمد حبیب اللہ باڑہ	۲-۰۰	منی آرڈر	[illegible]
۳۹	〃 ایم۔اے قاسم بیگ 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۰	〃 عبدالرشید 〃	۱-۰۰	〃	〃
۴۱	〃 ایس ایم ابراہیم صاحب باڑہ	۱-۰۰	منی آرڈر	[illegible]
۴۲	〃 سلطان احمد صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۳	〃 عبدالرحیم صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۴	〃 علی حسین انصاری صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۵	〃 عبدالصمد صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۶	〃 نصیر الدین احمد صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۷	〃 احمد علی صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۸	〃 ولی اللہ صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۴۹	〃 حیدر علی صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۰	〃 محمد عباس صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۵۱	ستیا پریہ چٹرجی صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۲	〃 عبدالرحمٰن صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۳	〃 عبدالرؤف صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۵۴	〃 محمد کبیت اللہ صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۵	〃 فضل الرحمٰن صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۵۶	شمس الدین صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۷	〃 صابر علی صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۸	بھولا پاسبان صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۵۹	محمد الیاس صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۶۰	〃 محمد شفیق صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۶۱	عبدالستار صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۶۲	〃 افخر نبی الدین صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۶۳	〃 بابو عبدالرزاق صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۶۴	〃 بابو عبدالعزیز صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۶۵	〃 محمد اشرف علی صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۶۶	عبدالوحید صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۶۷	〃 محمد شمس الدین صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۶۸	〃 محمد مستقیم صاحب 〃	۲-۰۰	〃	〃
۶۹	〃 حسین ہاشم صاحب ڈے بھال	۲-۰۰	〃	خود
۷۰	〃 لالہ لال چند صاحب کپور امرتسر	۵۰۰-۰۰	چیک	معرفت شری پریم ناتھ ودت
۷۱	〃 محمود ایاز صاحب بنگلور	۱۰۱-۰۰	ڈرافٹ	خود
۷۲	〃 کبیر حسن صاحب اناوہ ضلع پرولیہ	۱-۰۰	منی آرڈر	[illegible]
۷۳	〃 افتخار احمد صاحب آزاد 〃	۱-۰۰	〃	〃
۷۴	〃 حسین علی صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۷۵	〃 محمد عالم انصاری صاحب 〃	۱-۰۰	〃	〃
۷۶	〃 محمد اصغر صاحب طالب علم 〃	۱-۰۰	〃	〃
۷۷	〃 خواجہ احمد عباس صاحب دہلی	۵۰-۰۰	چیک	[illegible]
۷۸	ممتاز مرزا صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۷۹	〃 انور عظیم صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۸۰	〃 بیگم انور عظیم صاحبہ 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۸۱	〃 ایل۔کے جوشی صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۸۲	〃 کیپٹن پی کے ڈھلی صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃
۸۳	شنکر پرشاد صاحب 〃	۱۰-۰۰	〃	〃

میزان حال	۱,۵۵۶-۰۰
سابق	۴,۸۸۱-۵۰
کل	۶,۴۳۷-۵۰

تصحیح معذرت کے ساتھ

پہلی اکتوبر کی فہرست میں لالہ لال چند صاحب ہیرو امرتسر کے نام میں بجائے ہیرو کے ہیرا شائع ہو گیا ہے موصوف نے دو سو روپے عنایت کیے ہیں۔